AL-QALAM القلم
ISSN 2071-8683 E-ISSN 2707-0077
Volume 25, Issue, 1, 2020
Published by Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

جدید سیاسی فکر میں اقتدار اعلیٰ کا تصور: تعارف و تجزیہ

The Concept of Sovereignty in Modern Political Thought: Introduction and Analyses

***Dr. Mustafiz Ahmad Alvi**
****Hafiza Samira Rabia***
*Director, Faculty of Social Sciences, Gift University, Gujranwala
**Research Scholar, Gift University, Gujranwala

Abstract
This research paper deals with the concept of sovereignty presented by modern political thinkers of the west, analysed in the light of Islamic political ideology. The modern thinkers in the West, like Jean Bodine, Thomas Hobbes, John Lock and Rousseau played a key role to develop the concept of sovereignty in a state and society. According to the classical political scientists, a sovereign is the ultimate authority. The authority having ultimate power to make and impose law and cannot be subjected to Law. This kind of authority is exercised by a king in the state. No one can dismiss it or put to death. He is considered to be a lieutenant of God on earth to rule over rest of the mankind. He is only answerable to God. The democratic theory derived from Rousseau, explains that the people are sovereign; the masses have the right make or break law through consensus.According to Islamic teachings no one can be a sovereign in this sense. The real sovereignty to Allah Almighty (Subhanhu Taala). Only Allah has the absolute authority of defining law for His creation. The ruler does have a partial authority but does not have an absolute authority over everything. He has to work with in the domain of Quran and Sunnah. He is not only answerable before God but also before its people.
Keywords: Sovereignty, Western Thought, Political Scientists, Islamic Political Ideology

انسانی معاشرے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور عوام الناس کے حقوق کی حفاظت کے لیے ریاست کا قیام ناگزیر ہوتا ہے۔ ریاست کے نظم و نسق کو چلانے کے لیے ریاست میں کسی ایسی باختیار قوت کا ہونا ضروری ہے جس کی اطاعت اور فرمانبرداری سب کرتے ہوں ۔ بصورت دیگر ریاست انتشار اور افراتفری کا شکار ہو سکتی ہے۔ عالم مغرب میں سولہویں عیسوی سے شروع ہونے والی نشاۃ ثانیہ نے افکار سیاسی میں بھی انقلاب برپا کیا ہے۔ جدید سیاسی افکار کی رو سے ریاست کی وہ قوت جو سب سے زیادہ بااختیار اور طاقتور ہو مقتدر اعلیٰ (Sovereign) کہلاتی ہے۔ مغرب کے سیاسی مفکرین نے اقتدار اعلیٰ کے اس منبع، اس کے اختیارات اور خصوصیات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مفکرین میں ژین بودین (Jean Bodine)، تھامس ہابس (Thomas Hobbes)، جان لاک (John Lock) اور روسو (Rousseau) شامل ہیں۔

جدید تصور اقتدار اعلیٰ:

دور جدید کے مفکرین کے اقتدار اعلیٰ کے حوالے سے موجود افکار و نظریات کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ جدید تصور اقتدار اعلیٰ پر روشنی ڈالی جائے۔ مغرب میں اقتدار اعلیٰ سے مراد ریاست کی سب سے باختیار اور بالاتر قوت ہے۔ یہ وہ قوت ہے جس کو ہر لحاظ سے ریاست میں بالادستی اور بالاتری حاصل ہے۔ یہ قوت ان کے نزدیک تمام اختیارات کا منبع ہے۔ یہاں تک کہ قانون سازی کا اختیار بھی مطلقا اسی قوت کے پاس ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے لیے انگریزی زبان میں "Sovereignty" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ لاطینی الفاظ Superman's اور regnum سے ماخوذ شدہ ہے۔ جن کے معنیٰ بالترتیب سب سے بڑے اور رشتہ و تعلق کے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق:

> Sovereignty is the full right and power of a governing body over itself, without any interference from outside sources or bodies.[1]

(اقتدار اعلیٰ سے مراد وہ مکمل حق اور قوت ہے جو کہ ریاست کو خود پر حاصل ہوتا ہے، بغیر کسی بیرونی ذرائع یا افراد کی، مداخلت کے۔)

جبکہ اس کے لیے بیان کردہ ایک اور تعریف کے مطابق:

اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ اقتدار اعلیٰ سے مراد درحقیقت ریاست کی سب سے باختیار قوت ہوتی ہے جس کو قانون سازی اور نظم و نسق کے مطلق اختیار حاصل ہوتے ہیں اور وہ ہر قسم کی بیرونی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا موجودہ تصور سولہویں صدیں کے آخر میں پروان چڑھا۔ اس کے قیام اور ارتقاء میں جن سیاسی مفکرین نے اہم کردار ادا کیا ان میں ژین بودین (Jean Bodine)، تھامس ہابز (Thomas Hobbes)، جان لاک (John Lock) اور روسو (Rousseau) شامل ہیں۔ اقتدار اعلیٰ کے جدید تصور کے مطابق اس سے مراد ریاست کی سب سے اعلیٰ قوت ہے جو کہ نہ صرف اعلیٰ و یکتا ہوتی ہے بلکہ ناقابل تقسیم، ناقابل انتقال اور اٹل بھی ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے اس تصور کا آغاز دراصل ژین بودین کے افکار و نظریات کے ذریعے ہوا جس کو بعد میں تھامس ہابز نے ایک باقاعدہ شکل دی۔ ابتداء میں اقتدار اعلیٰ کو فرد واحد یعنی بادشاہ سے منسلک کیا گیا لیکن بعد میں اقتدار اعلیٰ کا حقیقی مالک عوام کو گردانا گیا۔

ژین بودین(Jean Bodine: 1530-1596AD) جس کو اقتدار اعلیٰ کے جدید تصور کا بانی مانا جاتا ہے وہ مقتدر اعلیٰ (Sovereign) کو نہ صرف ریاست کی سب سے اعلیٰ قوت گردانتا ہے بلکہ سمجھتا ہے کہ مقتدر اعلیٰ کا وجود مملکت کے لیے لازم وملزوم ہے۔اس کے بغیر کوئی ریاست ریاست نہیں کہلا سکتی۔ژین بودین کے خیال میں اقتدار اعلیٰ نا قابل تقسیم اور نا قابل انتقال ہوتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی مقتدر اعلیٰ ہو سکتا ہے۔کیونکہ جس طرح دو خدا نہیں ہو سکتے اسی طرح دو مقتدر اعلیٰ بھی نہیں ہوتے۔جیسے خدا اپنے اختیارات کسی کو سونپ کر اس کو اپنے برابر درجہ اور رتبہ نہیں دے سکتا اسی طرح مقتدر اعلیٰ بھی کسی کو اپنے برابر نہیں لا سکتا۔اقتدار اعلیٰ کی وحدانیت کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

ژین بودین(Jean Bodine) کے نزدیک مقتدر اعلیٰ لامحدود اختیارات کا مالک اور مطلق العنان ہوتا ہے۔[2] وہ سمجھتا ہے کہ مقتدر اعلیٰ کو عوام پر مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔اس کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کی مشروط اطاعت ممکن نہیں ہوتی۔عوام کو اس کے ہر حکم کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ژین بودین مقتدر اعلیٰ کو عوام کے اوپر مطلق اختیار تو دیتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ قانون سازی کا مکمل اختیار بھی مقتدر اعلیٰ کو ہی سونپتا ہے۔

ژین بودین(Jean Bodine) کے خیال میں مقتدر اعلیٰ کے مطلق العنان ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ وہ قانون سازی کا اختیار رکھتا ہے۔اس کو قانون سازی کے لیے کسی کی رضامندی یا منظوری کی ضرورت نہیں ہوتی۔بلکہ وہ جو چاہے قانون بنا سکتا ہے۔وہ جب چاہے اس میں تبدیلی لا سکتا ہے۔اس کو ختم کر سکتا ہے اور عوام پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی کریں۔مقتدر اعلیٰ کے قانون سازی کے اختیارات کو وہ کچھ یوں بیان کرتا ہے: تاہم ژین بودین(Jean Bodine) کے مطابق اس کے بنائے ہوئے قوانین ایسے نہیں ہونے چاہیں کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین میں تبدیلی لے آئیں یا ان کو معطل کر دیں۔وہ خدا کے بنائے ہوئے فطری قوانین میں ردبدل نہیں کر سکتا۔اسی ژین بودین کے مطابق مقتدر اعلیٰ کی ذات قانون سے بالاتر ہوتی ہے۔اگرچہ قانون کا منبع وہ ہے لیکن بذات خود وہ قانون سے مبرا ہوتا ہے۔اس پر ریاست کے قانون کا اطلاق نہیں ہوتا ہے مقتدر اعلیٰ کی اس قانونی حیثیت کا بیان وہ کچھ یوں کرتے ہیں:

ژین بودین (Jean Bodin) سمجھتا ہے کہ مقتدر اعلیٰ کے لیے لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے حاکم سے کیے ہوئے معاہدوں اور عہدوں کو پورا کرے۔[3] اسی طرح اگر اس نے اپنے اقتدار سے قبل عوام سے کوئی وعدہ

کیا ہو تو اس کو وہ وعدہ بھی لازمی پورا کرنا چاہیے۔[4] اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ ژین بودین کے نزدیک مقتدر اعلیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کا پابند نہیں ہوتا مگر وہ اپنے کیے ہوئے وعدوں کا پابند ضرور ہوتا ہے۔ چاہے اس نے ان کو پورا کرنے کی قسم اٹھائی ہو یا نہ اٹھائی ہو اس کو ہر حال میں اپنے عہدوں اور معاہدوں کا پاس رکھنا ہو گا۔

ژین بودین ریاستی امور میں کلیسا کی بالاتری کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس کو بات کو حق بجانب نہیں سمجھتا کہ پوپ کو ریاستی معاملات میں مقتدر اعلیٰ پر فوقیت حاصل ہے۔[5] اس کے نزدیک زمین پر خدا کے بعد سب سے بااختیار ہستی مقتدر اعلیٰ ہے نہ کہ پوپ۔ کیونکہ یہ مقتدر اعلیٰ ہی ہے جس کو خدا نے اس زمین پر اپنا نائب بنایا ہے۔ خدا نے مقتدر اعلیٰ کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ ریاست اور انسانیت دونوں کی فلاح و بہبود کی خاطر ان پر قوانین نافذ کرے۔ لہذا مقتدر اعلیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ اس کی عزت کرنا بھی سب پر لازم ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ دراصل خدا کی شان میں گستاخی کر رہا ہوتا ہے ژین بودین کے خیال میں مقتدر اعلیٰ خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ لہذا اس کو عدل و انصاف کے قیام کے لیے خصوصی اقدامات کرنے چاہیں۔ صرف عدالتوں کو قائم کر دینا یا قاضی مقرر کر دینا ہی کافی نہیں ہو گا۔ بلکہ مقتدر اعلیٰ کو اس سے بھی بڑھ کر اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس کو ذاتی طور پر ان امور میں دلچسپی لینی ہو گی۔ مقتدر اعلیٰ کی جانب انصاف کے قیام کی ذمہ داری کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

ژین بودین کے مطابق مقتدر اعلیٰ چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو عوام اس کے خلاف بغاوت کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ وہ کتنا ہی ظالم اور جابر کیوں نہ ہو عوام اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کو اتنا حق ہے کہ اگر مقتدر اعلیٰ کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو قدرتی قانون کے خلاف ہو تو وہ اس قانون کی اطاعت نہ کریں۔ لیکن ان کو پھر بھی بغاوت کا حق نہیں ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کہیں دور چلا جائے یا پھر موت کو قبول کر لے۔ لیکن بادشاہ کی عزت و توقیر میں کمی نہ لائے یا اس کے خلاف کچھ نہ کرے۔ مقتدر اعلیٰ کے احتساب سے ماورا ہونے کے بارے میں ژین بودین لکھتے ہیں:

تھامس ہابز (Thomas Hobbes :1588-1679AD) نے ژین بودان کے مطلق العنان بادشاہت اور اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کو کامل اور جامع شکل عطا کی۔ مطلق العنان بادشاہت اور دستوری حکومت کے حامیوں کے مابین خانہ جنگی جاری تھی۔ اس خانہ جنگی نے تھامس ہابز کو بہت زیادہ متاثر کیا اور اس نے مطلق العنان

اقتدار اعلیٰ کے حق میں دلائل دیئے۔ تھامس ہابز مقتدر اعلیٰ کو لامحدود اختیارات کا حامل سمجھتا ہے۔اس کی وجہ وہ یہ قرار دیتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے قیام کا مقصد حالت جنگ بدامنی اور انتشار کا خاتمہ تھا۔ یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب مقتدر اعلیٰ لامحدود اختیارات کا مالک ہو۔[6]

تھامس ہابز مقتدر اعلیٰ کو اس قدر اختیارات سے نوازتا ہے کہ اس کے خیال میں اگر ایک دفعہ مقتدر اعلیٰ کا انتخاب عمل میں آجائے تو پھر اس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق مقتدر اعلیٰ کے انتخاب کے بعد عوام کے پاس یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کریں۔ یا اس سے اختیار کو واپس لے کر کسی اور کو سونپ دیں۔ اب اختیار اس کی ملکیت ہے اسے اس سے کوئی نہیں چھین سکتا اور یہ فعل ناانصافی سمجھا جائے گا۔[7] مقتدر اعلیٰ کی مطلق العنانیت کو تھامس ہابز مذہب اور انسانی فطرت کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

تھامس ہابز بھی ژین بودین کی طرح قانون سازی کے سارے اختیارات وہ مقتدر اعلیٰ کی ذات میں مجمع کر دیتا ہے۔ مقتدر اعلیٰ جب چاہے کوئی بھی قانون نافذ کر سکتا ہے۔ اور جب چاہے اس کو ختم کر سکتا ہے۔ قانون کی مدت کا تعین کرنے کا حق بھی مقتدر اعلیٰ کو حاصل ہے۔ ایسی صورت میں جب مقتدر اعلیٰ نے کوئی قانون جاری کر رکھا ہو مگر اس کی مدت کا تعین نہ کیا ہو تو وہ تب تک لاگو سمجھا جائے گا جب تک مقتدر اعلیٰ اس کو ختم کرنے کا حکم جاری نہ کر دے۔ قانون سازی کے اس اختیار کو تھامس ہابز یوں بیان کرتا ہے:

جنگ و جدل اور فوج سے متعلق تمام اختیارات بھی تھامس ہابز مقتدر اعلیٰ کو سونپتا ہے۔ جنگ کرنی ہے یا نہیں کرنی، فوج کو کس طرح منظم کرنا ہے۔ فوجی اور جنگی اخراجات پر کتنا اور کب خرچ کرنا ہے یہ سب مقتدر اعلیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔[8]

تھامس ہابز کے خیال میں عوام کو مقتدر اعلیٰ سے کسی بھی قسم کے اختلاف کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان کو حکمران کی ہر پالیسی اور ہر حکم کی بلا مشروط اطاعت کرنا ہو گی۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ چونکہ مقتدر اعلیٰ کے انتخاب کے وقت عوام اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر مقتدر اعلیٰ سے بلا مشروط اطاعت کا معاہدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے حکمران کی کسی پالیسی یا حکم سے اختلاف کا اس کو حق حاصل نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تھامس ہابز کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کا احتساب اور جوابدہی سے بالاتر ہونا ہے۔ اس کے خیال میں یہ عمل مقتدر اعلیٰ کے اختیارات کو محدود کر دے گا اور اس میں اور عام شہری میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ جبکہ مقتدر اعلیٰ کی ذات قدر و منزلت اور اختیارات کے حوالے سے عوام سے بلند تر حیثیت کی حامل ہونی چاہیے۔ مقتدر اعلیٰ کے اس اختیار کو بیان کرتے ہوئے ہابز رقم طراز ہیں:

تھامس ہابز کے نزدیک اقتدار ناقابل تقسیم ہوتا ہے۔

اس کے خیال میں اقتدار اعلیٰ کو مختلف حصوں میں بانٹا نہیں جا سکتا ہے کہ کچھ اختیارات کسی کے سپرد کر دیئے جائیں اور بقیہ کسی اور کے۔ لہذا اقتدار اعلیٰ کا مالک جو بھی ہو گا وہ تمام اختیارات جو اس منصب سے جڑے ہیں ان کا مالک ہو گا۔ اسی طرح تھامس ہابز کے مطابق اقتدار اعلیٰ چاہے کسی ایک شخص کے پاس ہو یا ایک گروہ کے پاس ایک وقت میں دو افراد یا دو گروہ اس کا دعوی نہیں کر سکتے ایسا کرنا غلط ہے اور دو افراد یا دو گروہ بیک وقت مقتدر اعلیٰ قرار نہیں دیئے جا سکتے۔[9] اسی طرح اگر عوام کسی فرد یا گروہ کے حوالے اقتدار کر دیں تو اس کی موجودگی میں اب کسی اور کو بطور مقتدر اعلیٰ نامزد نہیں کیا جا سکتا۔ عوام کے پاس اب اس کی معزولی اور نئے مقتدر اعلیٰ کے انتخاب کا حق باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ لکھتا ہے:

تھامس ہابز مقتدر اعلیٰ کے جانشین کو چننے کا اختیار بھی مقتدر اعلیٰ کو ہی عطا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اگر کسی اور کو یہ اختیار عطا کر دیا جائے تو اس سے مقتدر اعلیٰ کے اختیار میں کمی واقع ہو گی۔ وہ مطلق العنان نہیں رہے گا۔ اگر مقتدر اعلیٰ کو اپنا جانشین چننے کا اختیار نہ ہو گا بلکہ کسی اور فرد یا ادارے کے پاس یہ اختیار موجود ہو گا تو اس کا نتیجہ ریاست میں بدامنی اور خانہ جنگی کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ اور عوام پھر سے اس حالت میں واپس لوٹ سکتے ہیں جن کی وجہ سے وہ مقتدر اعلیٰ کو اپنے اختیارات سونپنے پر مجبور ہوئے تھے۔ [10]

جان لاک (John Lock :1632-1704 AD) کا تصور اقتدار اعلیٰ ژین بودین اور تھامس ہابز سے مختلف ہے۔ وہ فرد واحد کو اقتدار اعلیٰ کا مالک نہیں سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ مقتدر اعلیٰ کو لا محدود اختیارات کا حامل سمجھتے ہوئے اسے قانون اور احتساب سے بالاتر قرار دیتے ہیں۔ جان لاک وہ برطانوی مفکر تھا جس نے بادشاہت کے خلاف دستوری حکومت کے قیام کو جائز قرار دیا تھا۔ وہ اقتدار اعلیٰ کو عوام کا حق سمجھتا ہے اور اسے عام شہریوں میں تقسیم کرتا ہے۔

جان لاک مطلق العنان مقتدر اعلیٰ کو درست نہیں مانتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ مہذب انسانی معاشروں کی فطرت کے خلاف ہے اور ایسی حکومت در حقیقت اس کے نزدیک کوئی حکومت ہی نہیں۔[11] مقتدر اعلیٰ کا مطلق العنان ہونا عوام کو اس کے غلام کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔ ان کی آزادی اور خود مختاری کو ختم کر دیتا ہے۔ ایسی صورتحال میں انسان در حقیقت خود کو ایسی زنجیروں میں باندھ لیتا ہے جہاں اس کو یہ حق بھی نہیں رہتا کہ وہ اپنی تکلیف کے خلاف آواز بھی بلند کر سکے۔ اس صورتحال کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

جان لاک حکمران کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتا۔ اس کے خیال میں تہذیب یافتہ انسانی ریاست یا معاشرہ میں کوئی بھی ایسا فرد یا گروہ نہیں ہو سکتا جو قانون سے بالاتر ہو یہ چیز انسان کی قدرتی حالت میں تو موجود ہو سکتی ہے مگر ایک مہذب معاشرے میں نہیں۔ کیونکہ انسان نے اسی لا قانونیت سے بچنے کے لیے ہی تو معاشرہ اور ریاست کو تشکیل دیا تھا:

جان لاک مقتدر اعلیٰ کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ عوام کی جان و مال میں تصرف کر سکے۔ اس کے خیال میں ریاست کے ہر رکن کو انفرادی ملکیت کا حق حاصل ہے اور مقتدر اعلیٰ یا ریاست کے حکمران کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ فرد کی رضامندی کے بغیر اس کی ذاتی ملکیت میں رد بدل کر سکیں۔[12] اس کے نزدیک ریاست کے قیام اور حکمران کے انتخاب کا مقصد ہی یہ ہے کہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اسے اس بات کی ضمانت دی جائے کہ کوئی اس کے حقوق کو نہیں چھین سکتا۔

جان لاک کے خیال میں چونکہ اقتدار اعلیٰ کے اصل مالک عوام ہوتے ہیں لہذا عوام کی اکثریت جسے چاہے گی اسے بطور حاکم اور مقتدر اعلیٰ منتخب کر لیا جائے گا۔ فرد واحد یا اقلیت کی مرضی سے حکمران یا دوسرے لفظوں میں مقتدر اعلیٰ کا انتخاب عمل میں نہیں آ سکتا۔[13] اس طرح جان لاک دراصل مقتدر اعلیٰ سے اپنے جانشین کو نامزد کرنے کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اکثریت کے منتخب کردہ حاکم کی اطاعت تمام افراد پر لازم ہو گی۔ پھر چاہے ان کی رضامندی اس انتخاب میں شامل ہو یا نہ ہو۔

جان لاک مقتدر اعلیٰ کو قانون سازی کے لا محدود اختیارات عطا نہیں کرتا ہے۔ جس طرح اقتدار اعلیٰ کے اصل مالک عوام ہوتے ہیں اسی طرح قانون سازی کے حقیقی اختیارات بھی عوام ہی کے پاس ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے منتخب کیے ہوئے قانون ساز ادارے کے سپرد کر دیتے ہیں۔ لیکن قانون ساز ادارے کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ

وہ خود کو یا عوام میں سے کسی کو قانون سے مستثنیٰ قرار دے سکیں۔ نہ ہی وہ کسی اندرونی یا بیرونی قوت کے ماتحت ہوں گے۔ وہ قانون سازی کے معاملہ میں بالکل آزاد ہوں گے۔ جان لاک لکھتا ہے:

جان لاک مقتدر اعلیٰ سے عوام پر ٹیکس نافذ کرنے کے لامحدود اختیارات بھی چھین لیتا ہے۔ وہ قانون ساز ادارے کو ٹیکس کے نفاذ کے محدود اختیارات عطا کرنے کے حق میں ہے جس میں عوام کی رضامندی کا شامل ہونا لازمی ہے۔[14]

جان لاک قانون ساز ادارے کے لیے یہ لازم قرار دیتا ہے کہ وہ مروجہ قوانین کی پیروی کریں۔ ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ وہ اجتماعی مفاد اور انصاف کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اپنی ذاتی پسند ناپسند کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ قانون ساز ادارے کی اس ذمہ داری کی نشاندہی کرتے ہوئے جان لاک لکھتا ہے:

جان لاک مقتدر اعلیٰ کو قانون اور احتساب سے بالاتر قرار نہیں دیتا۔ اس کے خیال میں عوام کے منتخب شدہ نمائندے اور ان کے قائم کردہ ادارے جو کہ مقتدر اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں وہ احتساب سے بالاتر نہیں ہوتے۔ وہ عوام کو جو کہ اقتدار اعلیٰ کے حقیقی مالک ہوتے ہیں اور جنھوں نے یہ اقتدار ان کو امانتاً سونپا ہوتا ہے، ان کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ وہ بغیر کسی روک رکاوٹ کے ان کا احتساب کرنے اور ان سے جوابدہی کا حق رکھتے ہیں۔[15]

مغربی سیاسی مفکر روسو-1712 : (Jean Jacques Rousseau1778AD) کے نزدیک بھی اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوتا ہے۔ وہ ہی سرچشمہ اختیارات و اقتدار ہوتے ہیں۔ وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب پر ہی ریاست کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔[16] الغرض ان میں سے کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ سب ہی قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں۔ لہذا مملکت کے شہری بیک وقت مقتدر اعلیٰ بھی ہیں اور فرماں بردار شہری بھی۔

روسو کے نزدیک چونکہ اقتدار اعلیٰ کو سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اور وہ ان کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے لہذا اس کا مفاد عوام کے مفاد سے مختلف نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ جسم خود اپنے آپ کو تکلیف پہنچائے۔[17]

روسو کے خیال میں حکومت ایک ایسا ادارہ ہے جو کہ عوام اور مقتدر اعلیٰ کے درمیان پل کا کام دیتی ہے۔ وہ ان کے مشترکہ مفادات کے حصول، اس کی حفاظت، قوانین کی تشکیل اور اطلاق، جیسے فعل سر انجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کی معاشرتی اور سیاسی آزادی کو بھی ممکن بنانے کے لیے سرگرداں ہوتی ہے:

روسو مقتدر اعلیٰ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتا ہے۔ کیونکہ اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام ہوتے ہیں۔ وہ ہی سرچشمہ اختیارات واقتدار ہوتے ہیں۔ وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب پر ہی ریاست کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ الغرض ان میں سے کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ سب ہی قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں۔[18] روسو مقتدر اعلیٰ کو عوام کی خواہشات کے تابع کر دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کا مفاد عوام کے مفاد سے مختلف نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ریاست کو ایک جسم اور عوام کو اس کے جزو قرار دیتا ہے۔ اگر مقتدر اعلیٰ عوام کے مفاد کے خلاف جائے تو اس کے مطابق یہ یوں ہی ہے جیسا کہ ایک جسم کا اپنے اجزاء کو تکلیف پہنچانا۔[19]

لہذا وہ سمجھتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو کبھی بھی عوام کے اوپر ایسی بندشیں اور ذمہ داریاں نہیں عائد کرنی چاہیں جو کہ ریاست کے مفاد عامہ کے خلاف ہوں اور اس کے لیے فائدہ مند نہ ہوں۔ وہ لکھتا ہے: لہذا جدید مغربی مفکرین جن میں ژین بودین اور تھامس ہابز شامل ہیں، اقتدار اعلیٰ کو فرد واحد سے منسلک کرتے ہیں۔ وہ مقتدر اعلیٰ کو لامحدود اختیارات اور مطلق العنانیت سے نوازتے ہیں۔ اس کو نہ صرف قانون سازی کا مکمل اختیار دیتے ہیں بلکہ قانون سے بالاتر قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے لیے کسی کو جوابدہ نہیں ہوتا۔ وہ خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جس کی حیثیت روئے زمین پر خدا کے بعد سب سے برتر انسان کی ہوتی ہے۔ جس کے برابر کسی اور کا درجہ نہیں ہوتا لہذا کوئی اور اٹھ کر نہ تو اس کے اختیارات کو چیلنج کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کو اس سے چھیننے کی کوشش کر سکتا ہے۔

یہاں تک کہ ان دونوں کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کے کسی بھی فعل کی بناء پر چاہے وہ ظلم و ستم اور زیادتی ہی کیوں نہ ہو اس کو تبدیل کرنے کا کسی کے پاس نہیں ہے۔ مقتدر اعلیٰ کو اپنا جانشین چننے کا اختیار بھی خود ہی حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ اختیار بھی کسی اور کو دینے کے حق میں اس لیے نہیں ہیں کیونکہ اس سے مقتدر اعلیٰ کے اختیارات میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جبکہ جان لاک اور روسو کا نظریہ اقتدار اعلیٰ اس سے تھوڑا مختلف ہے۔ وہ اقتدار اعلیٰ کو عوام الناس کی ملکیت سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عوام یہ اختیار اپنے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کو سونپتے ہیں۔ اقتدار اعلیٰ ان

کے نزدیک بھی ریاست کی سب سے بڑی قوت ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ قوت حکمران نہیں بلکہ عوام ہوتے ہیں۔

عوام کو قانون سازی کے تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ان اختیارات کو حکمرانوں کے ذریعے استعمال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ مقتدر اعلیٰ کے لیے، جو کہ عوام کا منتخب شدہ ہوتا ہے اور جس کو عوام یہ اختیار سونپتے ہیں، یہ لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ قانون سازی کرتے ہوئے عوامی خواہشات اور فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھیں۔ ان کے نزدیک مقتدر اعلیٰ قانون سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ اس کو عوام الناس کی خواہشات اور امیدوں کے تابع ہو کر امور حکومت سرانجام دینے ہوتے ہیں۔

اسلام کا تصور اقتدار اعلیٰ:

اسلام میں مقتدر اعلیٰ کا درجہ سربراہ ریاست کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کیرو سے حقیقی اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ انسانوں کو جو بھی اختیارات حاصل ہیں وہ اسی کی عطا ہیں۔ لہذا انسان کی حیثیت مقتدر اعلیٰ کی ان معنوں میں نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے افعال و اعمال میں آزاد اور خود مختار ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [20]

کہو کہ: اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں :

لہذا اس آیت کی رو سے اسلام میں اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔ اقتدار اعلیٰ اسی کو حاصل ہے۔ ریاست کی سب سے بالاتر قوت وہی ہے۔

علامہ بیضاوی اپنی تفسیر "انوار التنزیل" میں اس آیت کی تفسیر کے تحت اللہ کی حاکمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

جب کہ سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار و اختیار کو کچھ یوں بیان فرماتے ہیں :

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ [21]

بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

یہ آیت واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ صرف اور صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ساری کائنات کی بادشاہت اور اقتدار ہے۔ جیسا کہ علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پس اسلامی اصول حکمرانی کی رو سے اقتدار اعلیٰ اللہ ہی کی ذات کے لیے خالص ہے۔ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کا حکم کائنات میں جاری و ساری ہو۔ یہ اختیار صرف اللہ ہی کی ذات کو حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ [22]

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے، وہی بیان کرتا ہے حق کو اور وہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا۔

لہذا قرآن کی یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اصل حاکمیت صرف اور صرف خالق کائنات یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو حاصل ہے۔ کسی انسان کا یہ وصف نہیں کہ وہ لا محدود قوتوں اور اختیارات کا مالک ہو۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی اس آیت کی وضاحت میں خدا بابرکت کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

مسلم سیاسی مفکرین کا تصور اقتدار اعلیٰ قرآن و سنت کی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے۔ وہ اقتدار اعلیٰ عوام نہیں خدا کا وصف گردانتے ہیں۔ جیسا کہ امام محمد غزالی اپنی کتاب "التبر المسبوک فی نصائح الملوک" میں سب سے پہلے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عالمگیر حکمرانی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے اور اس کے اقتدار اور قانون کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی قانون ہے۔[23] امام ابو الحسن علی ماوردی اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قدرت کے اعتراف سے کرتے ہیں۔[24]

امام ابن تیمیہ بھی اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" کے مقدمہ کے آغاز میں اللہ کے احکامات کو واجب اور لازم قرار دے کر اس کی حاکمیت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔[25] ان سب کے نزدیک ریاست کی سب سے بااختیار قوت نہ تو حکمران ہوتے ہیں اور نہ ہی عوام بلکہ خالق کائنات کی ذات ہی حقیقت میں سب سے زیادہ بااختیار ہستی ہے۔ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔

مولانا مودودی اسلام کے تصور حاکمیت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیسویں صدی کے مشہور مسلم مفکر و مفسر سید قطب شہید حاکمیت الہیہ کی بنیاد پر اسلام کے اجتماعی نظام کو دنیا کے دیگر نظاموں سے ممتاز اور یکسر مختلف قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اصول کہ حاکمیت صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی انسانیت کے لیے قوانین وضوابط مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے دنیا کے کسی اور نظام میں موجود نہیں ہے۔ حاکمیت الہیہ کا تصور ہی در حقیقت اسلامی نظام حکومت کی بنیاد ہے۔[26]

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے بھی ریاست و حکومت میں اقتدار اور حاکمیت کا ماخذ عوام کی بجائے ذات خداوندی کو قرار دیا ہے۔ انھوں نے جمہوریت کے نظریہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اسے غیر منطقی قرار دیا ہے۔ وہ حاکمیت الہیہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری[27]

قرآن حکیم کی بیان کردہ تعلیمات کے مطابق حکمران اس لیے اقتدار اعلیٰ کے مالک نہیں ہوتے کہ زمین پر انسانی حکمرانی، مالک حقیقی، اللہ رب العزت کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ انسان بطور زمینی حکمران حاکم حقیقی کا نائب قرار پاتا ہے اور ایک نائب کے طور پر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ گویا انسانوں کو اقتدار و اختیار جو بحیثیت حکمران کے حاصل ہوتا ہے در اصل ایک امانت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [28]

اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جبکہ تمہیں قوم نوح کے بعد جانشین کیا اور تن و توش میں بھی اور لوگوں سے زیادہ کیا۔ پس اللہ کے احسان یاد کرو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

علامہ بیضاوی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مراد یہاں ارضی اقتدار ہے۔ یہ اقتدار و اختیار در اصل اللہ تعالیٰ کی عطا و انعام ہے اس پر۔ اس میں اس کا ذاتی شرف و کمال نہیں۔ یہ اس کا امتحان اور آزمائش ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

قرآن سے اخذ شدہ اس اصول حکمرانی کی وضاحت سورۃ الانعام کی 165 ویں آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یہاں صریحا اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ خلافت دراصل نیابت ہے۔ یہ عطا و بخشش کے پردے میں چھپی ہوئی آزمائش ہے۔ مفسر ابن جریر طبری "جامع البیان" میں اس آیت کی تفسیر میں کچھ یوں رقمطراز ہیں:

قرآن و سنت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکمران جو طور طریقے اپنائیں گے اور ملک میں جو بھی قانون جاری و ساری کریں گے اس کے بنیادی اصول وہی ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے طے کر دیئے ہیں۔ حکمرانوں کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ ان اصولوں کے علی الرغم، اپنی مرضی کے قانون کو اپنی مملکت میں جاری کریں۔ اس اصول کی نشاندہی مندرجہ ذیل قرآنی آیات اور احادیث سے ہوتی ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ [29]

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے، وہی بیان کرتا ہے حق کو اور وہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا۔

اسی طرح سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان خدا کے طے کیے ہوئے اصولوں کو چھوڑ کر اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔ خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا اس پر لازم ہے۔ بصورت دیگر اس کا شمار فاسقین میں کیا جائے گا۔ جبکہ مولانا مودودی کے خیال میں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کیے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔

ان کے خیال میں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اوّلاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اس لیے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی و اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔۔۔۔ جو شخص حکم الٰہی کے خلاف اس بنا پر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو غلط اور اپنے یا کسی دوسرے انسان کے حکم کو صحیح

سمجھتا ہے وہ مکمل کافر اور ظالم اور فاسق ہے۔ اور جو اعتقاداً حکم الٰہی کو برحق سمجھتا ہے مگر عملاً اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ اگرچہ خارج از ملت تو نہیں ہے مگر اپنے ایمان کو کفر، ظلم اور فسق سے مخلوط کر رہا ہے۔[30]

ماحصل :

اگر اسلامی نظریہ اقتدار اعلیٰ کی روشنی میں اقتدار اعلیٰ کے جدید تصور کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں اندونوں میں واضح اور بنیادی اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ اختلاف اختیارات و قوت کے لحاظ سے کم مگر مقتدر اعلیٰ کی ذات کے تعین کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ جدید سیاسی مفکرین اقتدار اعلیٰ کا مالک یا تو ریاست کے سربراہ کو قرار دیتے ہیں یا پھر عوام کو، عوام اس اختیار کو اپنے منتخب نمائندوں اور ان کے قائم کردہ اداروں کو سپرد کر دیتے ہیں۔ جبکہ اسلام سربراہ ریاست یا عوام الناس کی بجائے خالق کائنات یعنی خدائے بابرکت کی ذات کو اقتدار اعلیٰ کا حامل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا میں کسی بھی انسان کو ایسی حاکمیت یا اقتدار حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے طے کردہ قوانین اور اصول وضوابط سے بے نیاز کر دے۔ اس کو اتنا اختیار سونپ دے کہ وہ ہر قانون سے بالاتر ہو جائے اور تمام اختیارات کا منبع اسی کی ذات ٹھہرے۔ وہ عوام الناس اور حکمران دونوں کو احکام الٰہی کا پابند قرار دیتا ہے۔[31] وہ حکمران طبقے کو عطا کردہ اختیارات خدا کی امانت قرار دیتا ہے اور ان کو خدا کا نمائندہ بنا دیتا ہے جو کہ خدا کے سامنے نہ صرف جوابدہ ہوتے ہیں بلکہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ان کو ان عہدوں سے وابستہ رکھ سکتی ہے۔ بصورت دیگر ان کو اقتدار سے محروم کر دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اسلام نہ تو حکمران طبقہ کو مغربی تصور اقتدار اعلیٰ کی طرح قانون سازی کے لا محدود اختیارات سے نوازتا ہے[32] اور نہ ہی ان کو احتساب سے بالاتر قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں کوئی بھی انسان قانون سے بالاتر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو دیگر انسانوں سے زیادہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایسا کرنا در حقیقت انسانوں کے درمیان عدم مساوات کو پروان چڑھاتا ہے اور ظلم و ستم کو جنم دیتا ہے۔ اسلام کا ریاستی اداروں اور خاص طور پر حکومت کو قائم کرنے کا مقصد عوامی فلاح و بہبود اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔[33] جبکہ مطلق العنانیت اس مقصد کے حصول کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلیے جدید نظریہ اقتدار اعلیٰ کے برعکس اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان چاہے کسی ریاست کا حاکم ہی کیوں نہ ہو وہ لا محدود اختیارات کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کو یہ اختیارات امانتاً عطا ہوتے ہیں۔ اور امانت کو استعمال کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ آپ اس میں اپنی مرضی سے تصرف نہیں کر سکتے۔ اس لیے سربراہ ریاست من

چاہے اختیارات کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اقتدار اعلیٰ اور مطلق العنانیت صرف خالق کائنات کا ہی خاصہ ہے۔ جبکہ سربراہ ریاست کی حیثیت ایک نائب اور ملازم کی ہی۔ ذمہ داری اور جوابدہی کے اعتبار سے تو اس کو ریاست کے دیگر افراد کے مقابلے میں برتری حاصل ہو سکتی ہے مگر جب بات انسانوں کے بنیادی حقوق کی آتی ہے تو پھر اس میں اور عام انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

حوالہ جات وحواشی

1 Sovereignty, oxford dictionary, http://en.oxforddictionaries.com/sovereignty, accessed on 15/02/19
2 Ibid, p:8
3 Ibid, p:29
4 Ibid, p:29
5 Ibid, p:40
6 Thomas Hobbes, Leviathan, Ed: W.G. Pagson Smith. Oxford: Clarendon Press, 1929, p:81
7 Ibid, p:133
8 Ibid, p:138
9 Ibid, p: 142
10 Ibid, p:149
11 John Lock, Two Treatises of Government, Ed: Thomas Hollis. London: A Millar et al., 1864 p: 90
12 Ibid, p:95
13 Ibid, p:96
14 Ibid, p:142
15 Ibid, p:161
16 Jean Jacques Rousseau, the Social Contract, the Social Contract. Trans: G. D. H. Cole. New York: Dover Publications, 1959 p:11
17 Ibid, p:13
18 Ibid, p:11
19 Ibid, p:13
20 القرآن الحکیم، آل عمران 3: 26
21 القرآن الحکیم، الملک 67: 1

22 القرآن الحکیم ،الانعام 6: 57

23 امام غزالی،ابو حامد محمد بن احمد طوسی،احیاءعلوم الدین،لاہور: مکتبہ عثمانیہ،2007ء،ص2-6

24 الماوردی،ابو حسن علی بن محمد،احکام السلطانیہ،بیروت: دار الحکمۃ،2009ء،ص:2

25 ابن تیمیہ، تقی الدین ابن عباس احمد۔سیاست الشرعیہ۔مصر: دار الدعوۃ الاسلامیۃ،1997ء،ص:3

26 سید قطب شہید۔العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام۔قاہرہ: دار الاحیاء الکتب العلمیہ،ت۔ن،ص:542

27 علامہ اقبال،ڈاکٹر،کلیات،لاہور: اقبال اکادمی،2000،ص:290

28 القرآن الحکیم ،الاعراف 7: 69

29 القرآن الحکیم ،الانعام 6: 57

30 سید مودودی،ابوالاعلی،مولانا، تفہیم القرآن،لاہور: ترجمان القرآن،2003،ج:2،ص:118

31 القرآن الحکیم ،الشوری 42: 10

32 المائدہ 5: 47

33 الحج 22: 41